فُضَلاء سے اہم خطاب

افادات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

صدر مفتی وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مرتب

مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی

ناشر

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، گجرات

تفصیلات

کتاب کا نام:.....فُضَلاء سے اہم خطاب

افادات:.....حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری أطال اللّٰہ بقاءہ

مرتب:.....مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی (معین مفتی جامعہ ڈابھیل)

صفحات:.....۴۸

ناشر:.....ادارۃ الصدیق ڈابھیل، گجرات

M:9913319190,9904886188

ملنے کے پتے

مکتبۂ انور ڈابھیل (مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی)09924693470

مفتی سلیمان شاہوی (دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر)09925060234

مکتبہ الغزالی کشمیر09906912150

کتب خانہ نعیمیہ09756202118

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	پیش لفظ	۵
۲	اہلِ علم کا مقام	۶
۳	آپ اُمت کی امانت ہیں	۶
۴	ہمارا سلسلہ مجاہدہ وصبر والا ہے	۱۰
۵	آج کل کے فُضَلاء کی کمزوری	۱۵
۶	یہ خدمت ہے، نوکری نہیں	۱۶
۷	بیرونِ ملک کی پیش کش پر کیا کریں؟	۱۷
۸	مشورہ کا ادب	۱۹
۹	تنخواہ میں اِضافے کی درخواست	۲۱
۱۰	ہمارے اکابر اور فاقہ	۲۳
۱۱	وہاں کے خدا کو ہمارا سلام	۲۵
۱۲	قرآن کی تعلیم لفظاً ومعنیً عام کی جائے	۲۶
۱۳	مادّی فائدہ ہرگز حاصل نہ کریں	۲۷
۱۴	نصیحت کا انداز	۲۷
۱۵	اپنے اوقات کی حفاظت کیجیے	۲۸

۱۶	حضرت گنگوہیؒ کے عمل سے اقرب اِلی السنۃ کا فیصلہ	۳۰
۱۷	اپنا علاج کرنے اور مزاج بدلنے کی ضرورت	۳۰
۱۸	نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سادگی کی تعلیم دی ہے	۳۲
۱۹	آمدنی بڑھانا اختیار میں نہیں	۳۳
۲۰	حضرت الاستاذ کی چائے بند	۳۴
۲۱	حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع	۳۴
۲۲	کام میں جان پیدا کرنے کا طریقہ	۳۵
۲۳	اپنے احباب کے احوال سے باخبر رہیں	۳۵
۲۴	جمعہ میں بیان مختصر ہو	۳۶
۲۵	بیان میں زیادہ وقت لینا خیانت ہے	۳۸
۲۶	بچوں کی پٹائی سے احتیاط کریں	۳۹
۲۷	مدرِّسین کو ٹریننگ کی ضرورت ہے	۴۰
۲۸	کرکٹ سے بچنے کی شدید ضرورت ہے	۴۲
۲۹	طلبا اور پوری بستی کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری	۴۳
۳۰	طلبا کو غفلت سے آگاہ کرو	۴۵
۳۱	باطل فرقے ”الکفر ملة واحدة“ کی شکل میں	۴۶
۳۲	دعا	۴۸

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مرشد العلماء حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے گراں مایہ سرمایۂ علوم وہدایت میں بیانات کو غیر معمولی اہمّیت حاصل ہے۔ حضرتِ والا عوام وخواص کے دلوں میں دینِ صحیح کو اُتارنے کے لیے عام فہم بیان میں اپنی مثال آپ ہیں۔ جن لوگوں نے ''حدیث کے اصلاحی مضامین'' کی سات جلدوں کا مطالعہ کیا ہوگا وہ یقیناً اِس بات کی گواہی دیں گے کہ، احادیثِ مبارکہ کی عام فہم تشریح کی فیض رسانی ملت کے کسی مخصوص طبقے تک محدود نہیں؛ بلکہ وہ عوام اور اہلِ علم کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ بڑے بڑے اہلِ علم نے اِس کی گواہی دی، اور کئی مساجد میں اُس کو سنایا جاتا ہے؛ مگر ہنوز بیانات کا مجموعہ منصۂ شہود پر نہیں آیا۔ بعض احباب نے ابھی ابھی اِس کام کی طرف توجہ مبذول فرمائی ہے، اللہ کرے وہ جلد از جلد وجود میں آجائے۔

''فضلاء سے اہم خطاب'' اِسی سلسلے کی ایک زرّیں کڑی ہے۔ یہ بیان ۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ مطابق ۳۱ر مارچ ۲۰۱۲ء کو دارالعلوم سعادتِ دارین ستپون، بھروچ میں اہلِ علم کے درمیان کیا گیا تھا۔

دارالعلوم سعادتِ دارین ستپون سے گذشتہ گیارہ سالوں میں جو طلبہ فارغ التحصیل ہوکر گئے تھے، اہلِ مدرسہ نے اپنے اُن قدیم فُضَلاء کو دعوت دے کر دوروزہ پروگرام منعقد کیا تھا، جس میں فراغت کے بعد علمی خدمت کی انجام دہی میں کیا دشواریاں پیش آرہی ہیں؟ نیز دیگر حالات معلوم کرنے کے ساتھ اُن کو

نصیحت کرنے کے لیے حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کو بھی دعوت دی تھی۔ اِس پروگرام میں عربی ہفتم وششم کے طلباء کو بھی شریک کیا گیا تھا، اُس موقعہ پر اُن قدیم فضلاء سے جو گفتگو ہوئی وہ پیشِ خدمت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اِس خطاب کے مضامین اِتنے اہم ہیں، کہ تمام اہلِ علم اِس کے مخاطب ہیں۔ اہلِ علم اِس خطاب کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لیں، تو اُن کے علمی کاموں میں جان پیدا ہوجائے گی۔ (اِن شاء اللہ تعالیٰ)

حضرتِ والا کے شاگرد، دارالافتاء جامعہ ڈابھیل کے فاضلِ محترم مفتی سید جعفر علی (حال مقیم پنامہ) کے ہم شکر گزار ہیں، کہ موصوف نے جب انٹرنیٹ پر یہ خطاب سنا، تو اُن کو بہت پسند آیا، راقم الحروف سے کہا کہ: مَیں ضبط کر کے آپ کو روانہ کر دیتا ہوں۔ چناں چہ موصوف نے مختصر وقت میں مِن وعَن نقل کر کے بہت جلد روانہ کر دیا۔ راقم الحروف نے اُسے عناوین کا جامہ پہنا کر حضرت مرشد العلماء کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، حضرتِ والا نے از اوّل تا آخر بغور مطالعہ فرما کر اشاعت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ **فجزاھم اللہ تعالیٰ خیراً**

راقم الحروف اہلِ علم سے مؤدّبانہ درخواست کرتا ہے کہ: کم از کم ایک مرتبہ اِس خطاب کو ضرور پڑھیں، اِن شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ واللہ ھو الموفق۔

احقر: عبدالقیوم راجکوٹی

۴ رشوال المکرم ۱۴۳۳ھ بوقت چاشت

محمود نگر، ڈابھیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدلله، الحمدلله نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلله فلا هادیَ لهٗ، ونشهد أن لا اله الّا اللّٰه وحدهٗ لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيّدنا ومولانا محمّدًا عبدهٗ ورسولهٗ؛ صلى اللّٰه تعالى عليه وعلى اٰله وأصحابه وبارك وسلّم تسليمًا كثيراً كثيراً. أما بعد!

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم اللّٰه الرحمن الرحيم

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُولاً مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوا عَلَيۡهِمۡ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتَابَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ إِنَّكَ أَنتَ العَزِيۡزُ الحَكِيۡمُ. (البقرة:۱۲۹)

وقال تعالىٰ: مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ. فَمِنۡهُم مَّن قَضَى نَحۡبَهُ وَمِنۡهُم مَّن يَنتَظِرُ. وَمَا بَدَّلُوا تَبۡدِيۡلاً. (الاحزاب:۲۳)

وقال تعالىٰ: وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ أَئِمَّةً يَهۡدُونَ بِأَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوا، وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ. (السجدة:۲۴)

وقال تعالىٰ: قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِيۡ الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُونَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُونَ. (الزمر:۹)

وقال النبی ﷺ: وَإِنَّ الۡعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنۡبِيَاءِ، وَإِنَّ الأَنۡبِيَاءَ لَمۡ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرۡهَمًا، وَرَّثُوا الۡعِلۡمَ. (أبوداود)

حضراتِ اساتذہ اور میرے معزز فضلائے کرام اور عزیز طلباء!

مَیں جب یہاں آیا تو یہ سوچ رہا تھا کہ، آپ حضرات سے کیا عرض کروں؟ رات اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے اللہ! جو چیزیں مفید ہوں اُن کو پیش

کرنے کی توفیق اور سعادت عطا فرما۔ فجر کے بعد اِتنی ساری باتیں ذہن میں آئیں کہ اب سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ، کیا بات پیش کروں اور کیا چھوڑوں؟ کسی ترتیب کا لحاظ کیے بغیر متفرق باتیں مَیں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

اہلِ علم کا مقام

پہلی بات تو یہ کہ، اللہ تعالیٰ نے جو مقام ہمیں عطا فرمایا ہے اُس کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ مَیں نے نبیٔ کریم ﷺ کا جو ارشاد پیش کیا، اُس سے آپ بہ خوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ، یہ منصب حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت اور جانشینی کا ہے۔ اِسی لیے جو مقاصد حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے ہیں یعنی وہ حضرات جن کاموں کو انجام دینے کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے، اُنھیں کاموں کو ہمیں بھی انجام دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں نبیٔ کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد کو بہت ساری جگہوں پر واضح الفاظ میں بیان فرمادیا ہے: سب سے پہلا موقعہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ہے جو اُنھوں نے تعمیرِ کعبہ کے موقعہ پر کی تھی، جس میں حضورِ اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصدِ ثلاثہ: تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب وحکمت، اور تزکیہ بیان فرمائے ہیں، دوسری جگہوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے اِن کو بتلایا ہے۔

آپ اُمت کی امانت ہیں

ایک اَور بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ، آپ اپنے آپ کو یہ نہ سمجھیں کہ ہم اپنی ذات کے مالک ومختار ہیں؛ بلکہ آپ کا وجود امت کی امانت ہے، اور بہ حیثیت

عالم کے آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو علمی وجود اور تشخُّص عطا فرمایا ہے، آپ کے اِس علمی وجود کو دنیا میں لانے میں ذریعہ یہ مدرسہ بنا ہے، اور امت کے افراد اِس مدرسے کا تعاون کر رہے ہیں، ہمارے جتنے بھی مدارس چل رہے ہیں اُن کے مصارف امت کے افراد کیوں برداشت کرتے ہیں؟ اِس لیے کہ اُن کے سامنے یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ، امت کی بقاء جن چیزوں پر موقوف ہے، اُن میں ایک یہ بھی ہے؛ اِس لیے کسی نے چاہے فیس بھر کر ہی اپنے مدرسہ کا زمانہ پورا کیا ہو؛ لیکن ہم اور آپ جانتے ہیں کہ جو فیس ادا کی جاتی ہے وہ تو صرف کھانے کا معاوضہ بھی نہیں ہوتا۔ پھر یہ تعمیرات اور تعلیمی سلسلہ اور تربیت کا نظام جو مدارس میں جاری ہے، آج دنیا میں اگر کوئی آدمی اِن چیزوں کو حاصل کرنا چاہے، تو ہزاروں روپیے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو انگلش میڈیم اسکولوں میں بھیجا جاتا ہے، اُن کے لیے کتنی بڑی فیس ادا کی جاتی ہے! فیس تو اپنی جگہ پر رہی، نفسِ داخلہ کے لیے ڈونیشن (Donation) کے نام سے رِشوت کی بڑی بڑی رقمیں جو پیش کی جاتی ہیں۔ اور پھر اُن کے ٹرانسپورٹنگ (Transporting) اور یونیفارم (Uniform) اور کتابوں وغیرہ کا خرچہ جو ہزاروں اور لاکھوں روپیے ہوتا ہے؛ لیکن وہ لوگ وصول کرتے ہیں، تب جا کر کوئی ڈاکٹر بنتا ہے، کوئی انجینئر بنتا ہے۔ آج کل ڈاکٹروں کی فیس جو بڑھتی جا رہی ہیں وہ سب اِسی لیے ہے کہ، اُن کے پیشِ نظر تو دنیا ہے؛ لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب اور سلیکٹ (Select) کر کے یہاں بھیجا، اور پھر ہمیں علمی وجود ملا، وہ اِن ہی تمام مسلمانوں کی محنتوں سے ہے؛ اِس لیے آپ یوں نہ سمجھیں کہ: مَیں اپنا مالک ومختار

ہوں؛ بلکہ آپ تو پوری امت کی امانت ہیں، آپ کو عالم بنانے میں ایک ایک مسلمان نے حصہ لیا ہے؛ اِس لیے عالم بننے کے بعد آپ اپنے آپ کو اِس لائن سے الگ کرلیں، اور کسی ایسے مشغلے میں لگادیں جس میں مسلمانوں کو علمی اعتبار سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، تو یوں سمجھیے کہ آپ نے اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کی، اور آپ امانت میں خیانت کا ارتکاب کررہے ہیں۔ سیدھی بات ہے! یہ نہ سمجھیے کہ مَیں جو چاہوں کروں؛ بلکہ اب آپ کو ہر جگہ علمی فائدہ ہی پہنچانا ہے۔ ایک بات تو یہ ہوئی۔

ہمارا سلسلہ مجاہدہ وصبر والا ہے

دوسری بات یہ کہ، ہمارا یہ سلسلہ بہ قول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہٗ: پہلے ہی دن سے مجاہدہ اور صبر والا ہے۔ آپ نے جس دن کسی مدرسے میں داخلہ کے لیے داخلہ فارم کی خانہ پوری کی تھی، اُسی دن گویا اللہ تعالیٰ سے ایک عہد و پیمان کیا تھا کہ: اے اللہ! مَیں تیرے دین کا علم حاصل کرنے جارہا ہوں، اور علم حاصل کرنے کے بعد پھر اُس کے جو تقاضے ہیں اُن پر خود بھی عمل کروں گا، اور تیرے دوسرے بندوں تک اُس کو پہنچاؤں گا۔ اس لیے اب ہمیں اِس معاہَدے کو زندگی کی آخری سانس تک نبھانا ہے: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ ہمارے اس سلسلے کے اکابر کی زندگیاں وسوانح اور اُن کے حالات ہمارے سامنے ہیں، اُن حضرات نے اپنے آپ کو اِس لائن میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا تھا اُسے علمی وعملی طور پر پورا پورا نبھایا، اب ہماری باری ہے، اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں کہ ہم اپنے اُس عہد و

پیمان کو نبھا رہے ہیں یا نہیں؟ وہ حضرات ﴿فَمِنْهُم مَّنْ قَضَى نَحْبَهُ﴾ والے تھے، اور ہم ﴿وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ﴾ میں ہیں۔ اگر ہم نے اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ، کل کو میدانِ حشر میں اپنے بڑوں کے سامنے منھ دِکھانے کے قابل نہ رہیں۔ یہ بہت اہم چیز ہے جس کو پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

مَیں نے ایک اَور آیت تلاوت کی: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيَاتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ ہماری یہ لائن تو پوری کے پوری صبر ہی کی لائن ہے۔ آپ نے بخاری شریف میں ''کتاب المغازی'' میں پڑھا کہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ سونا ایک چمڑے کے اندر رکھ کر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا، حضورِ اکرم ﷺ نے چار آدمیوں کے درمیان تقسیم کر دیا، تو اُس پر ایک آدمی بولا کہ: اِس کے زیادہ حق دار تو ہم تھے، اور ایک آدمی نے تو کھڑے ہو کر برسرِ مجلس نبیٔ کریم ﷺ سے کہا: اِتَّقِ اللّٰہ، اللہ سے ڈرو۔ ذرا غور کیجیے کہ اِتَّقِ اللّٰہ کا جملہ کس کو کہا جا رہا ہے؟ نبیٔ کریم ﷺ کو کہا جا رہا ہے، اِس سے آپ اندازہ لگائیں کہ، حضورِ اکرم ﷺ کو بھی ایسے جملے کہنے والے تھے؛ لیکن حضورِ اکرم ﷺ جواب میں فرماتے ہیں کہ: ''اگر مَیں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈروں گا تو کون ڈرے گا؟ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے کا حق دار تو مَیں ہوں، اور تُو مجھے کہتا ہے کہ اللہ سے ڈرو! اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات بندوں کو پہنچانے کے معاملے میں مجھ پر اعتماد کیا، اور تم کو اِس مال کی تقسیم میں میرے اوپر اعتماد نہیں!۔

حضورِ اکرم ﷺ کو ایسی ایسی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ہم اور آپ تو اُس کا تصوُّر بھی نہیں کر سکتے۔ خود باری تعالیٰ اِس کی گواہی دیتے ہوئے آپ ﷺ کو تسلی

دیتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّاجِدِيْنَ﴾ لوگوں کی باتیں سن کر ہمارے دلوں پر جو آرے چلتے ہیں نا، یہ تو ہمارا انعام ہے، اور یہ انعام تو ہم پہلے دن سے ہی لیتے چلے آرہے ہیں؛ اِس لیے ایسی چیزیں اگر ہمیں پیش آئیں تو اُس کی وجہ سے ہمت ہارنے کی یا اپنے کام سے ہٹنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں ہے۔ آج کل ہم لوگوں کی تربیت میں کمی کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ، ذرا سا ایسا کوئی معاملہ پیش آیا تو ہم اُس لائن کو چھوڑ کر دوسرا کوئی کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔ ارے بھائی! اگر دوسرا کاروبار ہی کرنا تھا تو اِتنے دن مدرسے میں کاہے کو لگائے؟!

ہمارے والد صاحبؒ کے ایک بڑے پکے دوست تھے، اُنھوں نے اپنے بچے کو انگریزی کی اعلیٰ تعلیم دِلوائی۔ اُس لڑکے نے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد بھی مزید پانچ سات سال لگائے، پھر فراغت کے بعد اُس کو ایک جگہ پر سرکاری ملازمت ملی اور اُس میں بھی بہت اچھی تنخواہ تھی؛ لیکن اُس نے جو فن پڑھا تھا اور جو سرٹیفکیٹ اور سندیں حاصل کی تھیں، اُس کے اعتبار سے یہ ملازمت بہت نچلے درجے کی تھی۔ جب وہ لڑکا ملازمت پر لگا تو اُس کے والد کہنے لگے کہ: اگر تجھے یہی کام کرنا تھا تو پانچ سال مزید کیوں لگائے؟ گویا تخصص کے جو سال تُو نے لگائے اُس میں تُو نے میرے پیسے بھی برباد کیے اور اپنا وقت بھی برباد کیا، اگر اُسی دن سے اِس ملازمت پر لگ جاتا تو تیری قدامت اور سینئریٹی (Seniority) بھی ہو جاتی، اور اِس لائن میں تُو مزید ترقی کر جاتا۔ اِس طرح گویا تُو نے اپنی ترقی بھی گھٹائی۔

خیر! مَیں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ: آپ کو دنیا کا ہی کوئی دھندا کرنا تھا تو پہلے ہی دن سے وہاں لگ جاتے، تو آج تک تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتے اور بہت زیادہ پیسے کما لیتے، اور آپ جو کام کر رہے ہیں اُس میں آپ کو مزید قدامت اور ترقی حاصل ہو جاتی، اور جس مقصد کے لیے وہ کام کر رہے ہیں وہ مقصد بھی علیٰ وجہ الاتم حاصل ہو گیا ہوتا، یہاں مدرسہ میں کیوں آئے تھے؟ یہاں اِتنے سال گنوانے اور پھر دو چار سال اِدھر اُدھر کرنے کے بعد اِس میں لگنے کی کیا ضرورت تھی! اِس لیے بھائی! یہ راستہ تو صبر کا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین بھی ہونا چاہیے ﴿وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین بھی لازم اور ضروری ہے۔ ایک عالم تھے، اُنھوں نے اپنے بچوں کو دینی علوم پڑھانے کے بہ جائے عصری علوم میں لگایا، کسی کو انجینئر بنایا، کسی کو ڈاکٹر بنایا۔ وہ ہمارے ایک استاذ کے ساتھی تھے، تو ہمارے استاذ کہتے تھے کہ: اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اِن کو اپنے علم پر یقین نہیں ہے۔ بھائی! ایک آدمی ڈاکٹر ہے اور ڈاکٹری کا پیشہ کرتا ہے، اگر وہ اپنے بچہ کو ڈاکٹر نہ بنائے؛ بلکہ انجینئر بنائے، تو اِس کا مطلب یہی ہے کہ اُس کو اپنے ڈاکٹری کے اِس پیشے پر اطمینان نہیں ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ مَیں نے تو بھول کی تھی؛ مگر اپنے بچوں کو مَیں اِس غلطی میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ تو آپ نے دینی علم پڑھا؛ لیکن اپنے بچوں کو دینی علوم کے بہ جائے دنیوی علوم میں لگائیں گے، تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یوں سمجھ رہے ہیں کہ، یہ علم پڑھ کر ہم نے غلطی کی ہے، اور اپنی زندگی کو برباد کیا ہے، اب بھلے ہی میری زندگی تو برباد ہوئی اور میرے ماں باپ نے یہ بھول کی؛ لیکن مَیں اپنی اولاد کو برباد

کرنا نہیں چاہتا۔ یہی تو مطلب ہوا، اَور کیا ہوا؟ تو آپ کا یہ طرز ﴿وَ کانوا بآیاتنا یوقنون﴾ کے تقاضے کے سراسر خلاف ہے؛ اِس لیے اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کی بڑی اہمیت ہے۔

تو مَیں یہ عرض کر رہا ہوں کہ: ہماری یہ لائن صبر و تحمُّل کی ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کو اپنوں نے بھی اور غیروں نے بھی بہت تکلیفیں پہنچائیں؛ لیکن آپ ﷺ اپنے مقصد سے ذرّہ برابر بھی نہیں ہٹے۔ اور صرف تکلیفیں ہی نہیں؛ بلکہ لالچیں بھی دی گئیں۔ اب ہمارے یہاں بھی حکومتی پیمانے پر کچھ شکلیں ایسی آ رہی ہیں جس میں لالچ بھی دیا جا رہا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کو کتنا بڑا لالچ دیا تھا! ابوطالب کی خدمت میں قریش کے چودھریوں کا جو وفد آیا تھا اُنھوں نے تین شکلیں پیش کی تھیں کہ: آپ کے بھتیجے نے ایک نیا سلسلہ شروع کر رکھا ہے، کہ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں اور گھر گھر میں فتنہ پیدا ہو چکا ہے؛ اِس سے اُن کا مقصد کیا ہے؟ اگر اُن کو مال چاہیے تو بولو! جتنا مال وہ چاہیں، ہم دینے کے لیے تیار ہیں۔ اگر اُن کو کوئی حسین عورت چاہیے تو عرب کی کوئی حسینہ بتائیں، ہم اُس کے ساتھ اُن کا نکاح کرا دیں گے۔ اگر اُن کو سرداری چاہیے تو ہم اُن کو سردار ماننے کے لیے بھی تیار ہیں۔ دیکھو! وہ لوگ آپ ﷺ کو سردار اور بڑا ماننے کے لیے تیار تھے؛ لیکن اُن کا مقصد یہ تھا کہ ہم جو کرتے ہیں وہ ہمیں کرنے دو، ہمارے مسائل میں دَخل نہ دو، مگر اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھا کہ اِس معاشرے میں ایک انقلاب پیدا کرنا ہے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ ہمیں اپنی خواہشات اور مرضی پر چلنے دو، ہم آپ کی بڑائی تسلیم کرتے ہیں؛ لیکن نبیٔ کریم ﷺ

کو اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ: ہمیں آپ کی بڑائی منظور نہیں، ہم تو اِس معاشرے کو اپنے احکامات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں، اِسی پر محنت کرنے سے اللہ تعالیٰ آپ کو بھی عزت دے گا۔

تو میری بات سمجھ میں آئی یا نہیں؟ کہ اِس راہ میں جہاں تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں، دھمکیاں دی جاتی ہیں، وہیں لالچیں بھی دی جاتی ہیں؛ لیکن ہمارا حال تو یہ ہونا چاہیے کہ، نہ اِس کی پرواہ کریں اور نہ اُس سے للچائیں۔

آج کل کے فُضَلاء کی کمزوری

ہمارے اندر تو ایک دُھن ہونی چاہیے، اور اُسی دُھن کو لے کر آگے بڑھیں۔ آج کل ہمارے فُضَلاء کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ، ہم نے اپنے مقصدِ زندگی کو بھلا دیا ہے۔ ہم اِن مدرسوں میں آنے کے بعد بھی یوں سمجھتے ہیں کہ، ہم یہ پڑھتے اِس لیے ہیں تاکہ ہمیں کوئی ملازمت مل جائے، اور اِس لائن سے ہم دو روٹی کمانے لگیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے (آمین) اگر اِسی لیے علم حاصل کیا ہے تو ''نور الایضاح'' اُٹھا کر دیکھ لو، اُس کے مقدمہ میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ: وہ پہلوان جو اَکھاڑے کے اندر اپنی پہلوانی کے فن سے دنیا کماتا ہے، وہ بہتر ہے اُس عالِم سے جو اِس علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنائے۔ آپ نے اگر یہی مطلب سمجھا ہے تو اِس سے بڑی حَماقت اَور کیا ہوگی؟ پھر آپ مدرسے میں آئے ہی کیوں تھے؟ آپ دنیوی علوم حاصل کرتے۔ حکومتی پیمانے پر چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (કર્મચારી) کو اِتنی تنخواہ ملتی ہے کہ ہمارے شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ شیخ

الحدیث صاحب کی تنخواہ پانچ ہزار یا سات ہزار ہوتی ہے، اور سرکاری چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری (કર્મચારી) کی تنخواہ ۲۰؍ہزار ہوتی ہے۔ اسکولوں کے اندر پرائمری اسکول کے ٹیچروں کی تنخواہیں ۲۵؍ہزار سے ۵۰؍ہزار تک ہوتی ہے۔ اگر کمانا ہی تھا تو یہاں کیوں آئے؟ کہیں ماسٹر بن جاتے! میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آج ہماری ذہنی سوچ بدل گئی ہے۔

یہ خدمت ہے، نوکری نہیں

اور دیکھو! کسی بات کی تعبیر آدمی کے دلی جذبات کی ترجمان ہوتی ہے۔ آج اگر کسی سے پوچھو کہ: آپ کیا کرتے ہیں؟ تو اِس کا جواب ہوتا ہے کہ: ''فلاں جگہ نوکری کرتا ہوں'' یہ نہیں کہتے کہ ''فلاں جگہ پڑھاتا ہوں''۔ بھائی! آپ نوکری نہیں کرتے؛ بلکہ آپ کو تو یوں کہنا چاہیے کہ ''مَیں فلاں جگہ دِین کی خدمت انجام دے رہا ہوں''۔ یہ نوکری نہیں ہے؛ بلکہ خدمت ہے۔ اگر نوکری کرنی تھی تو آپ اِس کو چھوڑ کر دوسری جگہوں سے بہت کچھ حاصل کر سکتے تھے، اور جو کچھ آپ کو دیا جارہا ہے وہ آپ کی خدمت کا معاوَضہ نہیں ہے۔

ہمارے فقہِ حنفی میں تعلیمِ دین پر اُجرت جائز ہی نہیں ہے، مشائخِ متقدمین، ائمۂ ثلاثہ اور احناف کا مسلک یہی ہے؛ لیکن متأخرین مشائخِ احناف نے زمانے کے حالات میں تبدیلی آنے کی وجہ سے تعلیمِ قرآن پر اجرت کی گنجائش دی ہے۔ ہمارے اکابر کو اللہ پاک جزائے خیر دے (آمین) کہ اُنھوں نے ائمۂ احناف کا اصل جو اصل مسلک تھا اور مشائخِ متأخرین نے زمانے کے تقاضے کی وجہ سے جو پہلو اختیار کیا ہے، اُن دونوں کو جمع کرنے کی کتنی بہترین صورت بتلائی:۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ:

''اگر آپ کے پاس اپنے گزر بسر کے لیے کچھ نہیں ہے تو کوئی بات نہیں، آپ تنخواہ لے کر پڑھائیں؛ لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ مَیں پڑھانے کا معاوضہ لے رہا ہوں؛ بلکہ یہ سمجھئے کہ مَیں تو لوجہ اللہ یہ خدمت انجام دے رہا ہوں؛ البتہ مَیں اُن کی دینی ضرورت پوری کر رہا ہوں، تو وہ لوگ کچھ دے کر میری دنیوی ضرورت پوری کر رہے ہیں۔ اور دینے والے بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم اِن کو پڑھانے کا معاوضہ دے رہے ہیں؛ اِس لیے کہ جو دے رہے ہیں، دنیوی اعتبار سے اگر اُس کا اندازہ لگایا جائے تو وہ اُتنا نہیں ہے جو اُن کو ملنا چاہیے''۔

گویا دونوں کو کتنی بہترین تعلیم دی ہے۔ اِسی لیے ہمارے اکابرین کا مشورہ ہمیشہ یہی رہا کہ، کبھی بھی مال پیشِ نظر نہ رہے۔

بیرونِ ملک کی پیش کش پر کیا کریں؟

ایک اَور بات یہ ہے کہ، آپ جہاں کام کر رہے ہیں، اور آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کچھ کام لے رہے ہیں، تو اُس جگہ کو نہ چھوڑیے؛ اِس لیے کہ ہوتا کیا ہے؟ کسی جگہ کوئی عالم اگر اچھا کام کر رہا ہوتا ہے تو اُس کو انگلینڈ اور افریقہ سے آفر (Offer) ملتی ہے؛ اِس لیے کہ وہ لوگ تو اچھے آدمیوں کو ڈھونڈھتے ہیں، اور جان کاروں سے پوچھتے رہتے ہیں کہ: آپ کے یہاں کام کا کوئی اچھا آدمی ہے؟ اگر کسی نے بتلا دیا کہ: ہاں بھائی! فلاں گاؤں میں فلاں مولانا صاحب بہت کام کر رہے ہیں، اور ہم نے سنا ہے کہ بڑی محنت ہو رہی ہے، اور وہاں اُن سے بڑا فائدہ

ہورہا ہے؛ تو بس! ایک جگہ کچھ اچھا کام ہورہا تھا اُس پر بھی ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ اب اِن مولوی صاحب پر وہاں سے خط آئے گا کہ: آپ ہمارے یہاں آجایئے۔ ایسے موقعہ پر اُن مولوی صاحب کو چاہیے کہ، اُن کو جب پیشکش کی گئی تو اِس سلسلے میں کوئی جواب دینے سے پہلے اپنے بڑے جن کے ہاتھ میں اپنی لگام دے رکھی ہے، اُن سے مشورہ کرلیتے۔ یہ بہت ضروری چیز ہے، ہمارے تمام اکابرین کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ، فراغت کے بعد کسی دینی خدمت میں لگنے سے پہلے اپنے آپ کو کسی کے حوالے کرو، اور اپنی اصلاح کے بعد پھر اِس کام میں لگو، اور بعد میں ہر ہر معاملے میں اُن سے مشورہ کرتے رہو؛ اِس لیے اُن کو چاہیے کہ اپنے بڑوں کے سامنے یہ بات پیش کریں کہ: ایسی صورت حال ہے۔ اور مَیں تو کہتا ہوں کہ: خود بھی اُن کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر وہ لوگ زیادہ اصرار کرتے ہیں تو اُن سے ہی کہو کہ: آپ مجھے بلانا چاہتے ہیں تو آپ ہی وہاں جاؤ، اور اُن سے کہو، مَیں تو نہیں آتا، اگر وہ مجھے حکم دیں گے تو مَیں تیار ہوں۔ یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک تو وہ ہمیں حکم دیں کہ فلاں جگہ جاؤ، اور ایک ہم بہ اصرار پوچھیں، کبھی وہ ہماری کمزوری کو دیکھ کر اجازت دے دیتے ہیں، کہ اگر اِس کو ''نا'' کہوں گا تو یہاں سے بھی چھوڑ دے گا، اور کسی ہوٹل پر جا کر بیٹھ جائے گا، یا دوسرا کوئی دھندا اختیار کرلے گا؛ اِس لیے وہ ہماری کمزوری کے پیشِ نظر گنجائش پر عمل کرتے ہوئے اجازت دے دیتے ہیں، کہ چلو! یہاں نہیں تو وہاں، دین کے کام پر تو لگا رہے گا!۔

جتنے بھی اچھا کام کرنے والے دنیا کی نسبت پر بیرون ممالک میں گئے

ہیں، اُن میں بڑے بڑے باصلاحیت لوگ تھے، عمدہ استعدادیں تھیں، حدیث پڑھانے والے تھے، اور اپنے اپنے فن کے بڑے اچھے ماہرین تھے، انگلینڈ یا ساؤتھ یا جہاں جہاں بھی محض اِس وجہ سے گئے کہ، یہاں تنخواہ کم ہے اور وہاں زیادہ تنخواہ ملے گی، آپ جا کر دیکھ لو، مَیں آپ کو چیلنج سے کہتا ہوں کہ: وہاں جا کر کسی ایک سے بھی کوئی بڑا کام نہیں ہوسکا، حالاں کہ یہاں اُن سے بہت اچھا کام ہو رہا تھا، جب اِس کو چھوڑ کر چلے گئے تو وہاں کسی ایک سے بھی کوئی بڑی خدمت نہیں ہوسکی۔ ہاں! جو حضرات اپنے بڑوں کے حکم سے گئے ہیں اور جن کو اُن کے بڑوں نے بھیجا ہے، حالاں کہ وہ کہتے رہے کہ: نہیں حضرت! مَیں تو یہاں ہی رہنا چاہتا ہوں، مجھ سے یہاں فائدہ ہو رہا ہے؛ لیکن بڑوں نے کہا: نہیں! مَیں حکم دیتا ہوں کہ تم وہاں جاؤ، تو اُن سے پھر اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی بڑا کام لیا۔

مشورہ کا ادب

اور مَیں ہمارے احباب سے کہتا رہتا ہوں کہ: مشورہ لینے کا انداز بھی صحیح ہونا چاہیے۔ ہم مولوی لوگ ہیں نا! اِس لیے ظاہر ہے کہ سوالِ مقدر کے جوابات بھی پہلے سے تیار کرلیا کرتے ہیں۔ اب خود کو جانا ہے، تو بات اِس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ حضرت بھی سن کر یوں کہہ دیں کہ: ''ہاں! ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے، وہاں جانا چاہیے''، وہ جانتا ہے کہ مَیں یوں یوں کہوں گا تو حضرت یہی مشورہ دیں گے۔ تو کان کھول کر سن لو! یہ مشورہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو دھوکہ دینا ہے اور خیانت ہے، ہمارا قلب ہمارے ساتھ خیانت کرتا ہے، اور اِس کے نتیجے میں ہم اپنے شیخ کے ساتھ خیانت کرتے ہیں، اِس خیانت کے نتیجے میں جو مشورہ ملا ہوگا اُس میں

کوئی برکت نہیں ہوگی۔ یاد رکھنا کہ یہ شیخ کا مشورہ نہیں ہے۔

اور یہ مشورہ بھی ہم اِس لیے لیتے ہیں تاکہ دنیا کو بتاسکیں کہ، مَیں نے تو شیخ کے ساتھ مشورہ کیا تھا۔ یہ مشورہ تو دنیا کے سامنے اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے ہے؛ تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ: یہاں اِتنا اچھا کام ہورہا تھا، اُس کو چھوڑ کر انگلینڈ اور افریقہ چلا گیا۔ اگر کوئی ایسا کہے تو اُس کو بڑی زور سے یہ کہہ سکے کہ: ''ارے! مَیں نے تو حضرت سے مشورہ کیا تھا، حضرت نے مجھے اجازت دی'' درحقیقت یہ مشورہ لوگوں کا منھ بند کرنے کے لیے ہے، اَور کچھ نہیں۔

تو مَیں یہ عرض کررہا تھا کہ: مال مقصود نہ ہو؛ بلکہ کام مقصود ہو۔ اور ہمارا اور آپ سب کا ایمان ویقین ہے کہ، روزی تو اُتنی ہی ملے گی جتنی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقرر ہے۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں جو مقرر ہے اُس سے ایک دانہ بڑھ نہیں سکتا، اور ایک دانہ گھٹ نہیں سکتا، ساری دنیا مل کر ایک دانے کا اِضافہ نہیں کرسکتی، اور ساری دنیا مل کر ایک دانے کی کمی نہیں کرسکتی، جب ہمارا ایمان ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ ہم اِس سوچ میں پڑے ہوئے ہیں!!۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے تھے کہ:

''کسی کے سامنے اپنی مادّی ضرورت کا اظہار بھی نہ کرو!''

اگر آپ اظہار کررہے ہیں تو گویا اپنے آپ کو اُس کے سامنے ذلیل کررہے ہیں، اور صرف اپنے آپ کو ہی نہیں؛ بلکہ علماء کے پورے گروہ کو اُس کی نگاہوں سے گرارہے ہیں۔ اور اگر آپ کے کہنے سے اُس نے دو پیسے دے بھی دیے، تب بھی اُس کے دل میں آپ کی وقعت کم ہوجائے گی:

اے طائرِ لاہوتی! اُس رزق سے موت اچھی | جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی

ہم جہاں کام کرتے ہیں، وہاں اگر کوئی بڑے سے بڑا مال دار ہو تو اُس کے ساتھ بھی آپ کو اُسی طرح محبت سے پیش آنا ہے جیسے ایک غریب کے ساتھ پیش آنا ہے، دینی خیر خواہی کی نسبت پر دونوں سے یکساں معاملہ ہونا چاہیے، اگر اُس کے پاس دو پیسے ہیں تو مال کی نسبت پر اُس کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! اگر واقعۃً وہ اپنے پیسوں کو دین کی خدمت میں استعمال کرتا ہے، اور دین کے کاموں میں آگے آگے رہتا ہے، تو اُس کے دین کے کاموں میں حصہ لینے کی وجہ سے اگر آپ اُس کے ساتھ کوئی خاص سلوک کریں، تو بات دوسری ہے؛ لیکن صرف پیسوں کی وجہ سے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اب ہمارا معاملہ کس کے ساتھ کس نسبت پر ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے، دل کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

تنخواہ میں اِضافے کی درخواست

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو مدرسے میں یہ درخواست دینے کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے کہ، ہماری تنخواہ بڑھاؤ۔ ویسے جو منتظمین ہیں اُن کو خود ہی چاہیے کہ مدرسین کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اور زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اِضافہ کریں، جو منتظمین اِس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ مدرسین درخواست دیں اور ہم اضافہ کریں، وہ بھی درحقیقت اپنے فرضِ منصبی کو ادا نہیں کرتے، یہ اُن کی کوتاہی ہے۔ ''فتاویٰ رحیمیہ'' میں حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے بہت تفصیل سے یہ مسئلہ لکھا ہے؛ لیکن اگر منتظمین اضافہ نہیں کرتے تو ہمیں کوئی درخواست دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اورلوگوں کا حال تو یہ ہے کہ، درخواست دینے کے بعد کمیٹی والے اگر آپ کی تنخواہ میں اضافہ کریں گے نا، تب بھی گویا وہ احسان جتلاتے ہیں، جیسے کہ اپنی جیب میں سے دے رہے ہوں۔ ارے بھائی! اُنھوں نے اپنی جیب میں سے نہیں دیا ہے، وہ تو دوسرے بندوں کی دی ہوئی رقم ہے؛ لیکن پھر بھی وہ آپ پر احسان جتلائیں گے، اور اِس کا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ آپ کی قدر و قیمت اُن کے دل سے گھٹ جائے گی۔ اب غور کیجیے کہ اگر سو، دوسو، پانچ سو، یا ہزار روپیے بڑھا بھی دیے، تو کیا فائدہ ہوا؟۔

جب مَیں پڑھانے کے لیے ۱۹۶۹ء میں ڈابھیل آیا، اور میرا تقرر ہوا تو مَیں آپ کو بتاؤں! کہ میری تنخواہ ۱۲۸/روپیے طے ہوئی تھی؛ لیکن ابھی وہ ۱۲۸/ روپیے تنخواہ وصول کروں اُس سے پہلے ہی تنخواہ بڑھ کر ۲۱۰/ یا ۲۱۵/روپیے ہوگئی تھی۔ اِس لیے مَیں تو کہتا ہوں کہ: اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرو، اور اپنے اِس مزاج کو ختم کرو۔ الحمدللہ! آج تک کبھی کوئی درخواست نہیں دی اور نہ ایسی کسی درخواست پر کبھی دستخط کیے۔

اور پھر دوسرے مدرسین کی درخواست پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے آپ جانتے ہیں، کہ مولویوں کا حال کیا ہوتا ہے! جو اُس کا ساتھ نہ دے اُس کا حلیہ خراب کردیتے ہیں۔ چناں چہ ہمارے بھی پیچھے پڑ جاتے تھے، یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ: اچھا! جب آپ نے دستخط نہیں کیے، تو پھر جب تنخواہ بڑھے تو اضافہ لینا مت۔ اِس پر ہم نے اُن سے کہا کہ: ہم نے کہاں درخواست دی ہے؟ اگر وہ بڑھا کر دیں گے، تو لیں گے۔ تو کہتے کہ: ہم نے درخواست دی ہے؛ اِس لیے

بڑھے گی۔تو ہم کہہ دیتے تھے کہ: آپ اُن سے کہہ دو کہ: ہماری تنخواہ نہ بڑھاویں۔

خیر! مَیں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ: آپ کی درخواست پر اگر منتظمین تنخواہ بڑھا رہے ہیں، تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُنھوں نے آپ پر احسان کیا۔ پھر اِس کا جو بڑا نقصان ہوا وہ تو یہ ہوا کہ، آج تک آپ کی جو قدر و قیمت اُن کے دل میں تھی وہ گھٹ گئی، حالاں کہ وہ اپنی جیب میں سے نہیں دیتے؛ لیکن انسان کا حال ایسا ہی ہے۔

اور آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ، شریعت نے سوال کو تو حرام قرار دیا ہے، اور اِشراف یعنی دل سے یہ سوچنا کہ فلاں مجھے کچھ دے گا، تو شریعت اِس کی بھی اجازت نہیں دیتی۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اِشراف کے بعد اگر کچھ ملے تو لینا نہیں چاہیے، کہ اُس میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔

ہمارے اکابر اور فاقہ

ہمارے اکابر کے یہاں اِس کا بھی بڑا اہتمام تھا، یہاں تک کہ فاقے پر فاقے ہوتے، پھر بھی وہ کچھ لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ''مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت'' میں کسی عالم کا واقعہ لکھا ہے کہ: اُن کے یہاں تین چار وقت کا فاقہ تھا، جب سبق پڑھا رہے تھے تو فاقوں کی وجہ سے اُن کی آواز متأثر تھی، اُن کے شاگردوں میں ایک نیک نواب زادہ تھا، اُس نے آواز سے محسوس کرلیا کہ فاقہ ہو رہا ہے، چناں چہ وہ اجازت لے کر گیا اور خوانچہ تیار کر کے لے کر آیا، اور استاذ صاحب کی خدمت میں پیش کیا؛ لیکن اُنھوں نے لینے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ: جب تم نے مجھ سے اجازت لی تھی، اُس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ، تم اِسی لیے جا رہے ہو تا کہ میرے لیے گھر

سے کچھ کھانا لے کر آؤ گے، اور یہ میرا اشراف تھا؛ اِس لیے میرے لیے یہ کھانا لینا جائز نہیں ہے، حالاں کہ تین چار وقت کا فاقہ تھا۔ اُس وقت کے لوگ بھی ایسے تھے کہ نام کرنا نہیں چاہتے تھے، صرف خدمت ہی مقصود ہوتی تھی۔ جب استاذ صاحب نے لینے سے منع کر دیا تو فوراً وہ خوانچہ اٹھا کر واپس ہو گیا، اور نگاہوں سے غائب ہونے کے بعد پھر دوبارہ لے کر آیا اور کہا کہ: حضرت! اب لے لیجیے؛ اِس لیے کہ جب مَیں خوانچہ اُٹھا کر چلا گیا تو آپ کو یہ امید و توقع نہیں رہی تھی نا! کہ مَیں دوبارہ لے کر آؤں گا؟ لہٰذا اب تو لے لیجیے؛ چناں چہ اب وہ منع نہیں کر سکتے تھے۔ تو مَیں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ: ہمارے سلسلے کے اِن بزرگوں کا شیوہ یہی رہا ہے۔

''ارواحِ ثلاثہ'' میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ: اُن کے گھر میں کام کرنے والی ایک خدمت گار عورت تھی، ایک مرتبہ وہ حضرت کے گھر کے ایک بچہ کو لے کر گھر سے باہر بہلانے اور کھلانے کے لیے آئی۔ وہ بچہ بہت رو رہا تھا، کسی جاننے والے نے - جو کہ صاحبِ حیثیت تھے - پوچھا، تو اُس نے بتا دیا کہ، گھر میں فاقہ چل رہا ہے، اُس کا اثر ہے کہ بچہ کو کھانے کو کچھ نہیں ملا؛ اِس لیے رو رہا ہے۔ جب شاہ صاحب کو پتہ چلا تو اُس خادمہ کو بلا کر ڈانٹا کہ: ''اللہ کی بندی! ہمارا معاملہ اللہ کے ساتھ تھا، تُو نے ہمارا راز کیوں فاش کر دیا؟'' چناں چہ پھر اُس کو خدمت سے ہٹا دیا۔ یہ اُن میں علمی غیرت تھی۔

آج اِسی علمی غیرت کی ضرورت ہے۔ اگر ایسی غیرت ہم اپنے اندر پیدا کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ اُسی نوع کا کام بھی ہم سے لیں گے۔ دینی اور علمی خدمات کو انجام دینے کے لیے صرف کتابوں کا پڑھ لینا اور استعداد بنا لینا اور امتحان میں

اوّل نمبر سے کامیابی حاصل کر لینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ اِس علم کے ساتھ ساتھ وہ خوبیاں اور صفات جو ہمارے اکابر میں تھیں، اُن صفات کو بھی اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

تو مَیں یہ کہہ رہا تھا کہ: اِن مادّی ضروریات کے ذریعے سے ہرگز اپنے مقام کو نہ گراویں؛ بلکہ اپنے کام پر لگے رہیں، اور اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں، دینے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، وہی ساری ضرورتیں پوری کرنے والا ہے۔ آپ کہیں بھی چلے جاؤ، اِس سے کیا فرق پڑتا ہے؟۔

وہاں کے خدا کو ہمارا اسلام

غالب کے حالات میں لکھا ہے کہ: دلّی جب اُجڑی، اُس زمانے میں رامپور کے نواب صاحب کلب علی خان تھے، وہ اہلِ فن کے بڑے قدردان تھے، دلّی کے کوئی شاعر وہاں پہنچے تھے، اُنھوں نے دلّی میں اپنے ایک دوست سے کہا کہ: نواب صاحب بڑے قدردان ہیں، آپ بھی یہاں آجایئے، آپ کا وظیفہ مقرر ہو جائے گا۔ اِنھوں نے بھی ارادہ کر لیا اور اپنے ایک ساتھی سے ملاقات کے لیے گئے، کہ مَیں تو یہاں سے نقلِ مکانی کر کے رامپور جا رہا ہوں۔ اُنھوں نے پوچھا کہ: کیوں جا رہے ہو؟ جواب دیا کہ: یہاں ذرا تنگی ہے اِس لیے جا رہا ہوں، تو اُنھوں نے کہا کہ: ''اچھا! وہاں کے خدا کو ہمارا اسلام کہہ دینا''، اِس پر اُنھوں نے پوچھا کہ: کیا وہاں کا خدا کوئی دوسرا ہے؟ کہا کہ: نہیں! وہی خدا یہاں بھی ہے، اور جو خدا وہاں روزی دے گا، وہی یہاں بھی دے گا۔ یہاں جو خدمت کا سلسلہ جاری ہے اُس کو چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟۔

قرآن کی تعلیم لفظاً و معنیً عام کی جائے

خیر! مجھے جو چیزیں کہنی تھیں، اُن میں پہلی بات شروع کی تھی کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کا جو کام تھا اُس میں تین چیزیں ہیں: ایک تو تلاوتِ آیات ہے؛ اِس لیے آپ جہاں کہیں بھی ہوں، اِس کی طرف خاص توجہ فرمائیں؛ اِس لیے کہ قرآنِ کریم کے الفاظ کی تعلیم کا سلسلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ: جب مالٹا سے رِہا ہو کر واپس آئے تو دارالعلوم دیوبند میں مجلس ہوئی، ہمارے سارے ہی اکابر حضرت کے شاگرد تھے، وہ سب وہاں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الہندؒ کو ایسے لوگ عطا فرمائے تھے کہ، ہر ایک اپنی اپنی لائن کے ماہرین تھے، حکیم الامتؒ حضرت تھانویؒ، مفتیٔ اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہ وغیرہ؛ یہ سب حضرات ایسے تھے کہ ہر ایک نے اپنی لائن میں وہ کارنامہ انجام دیا کہ، اُن سے پہلے بھی اور بعد میں بھی سالہا سال تک کسی نے ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا؛ وہ تمام ہی وہاں موجود تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ:

> ''بھائی! جیل کی تنہائیوں میں بہت سوچنے اور غور کرنے کے بعد امت کی پستی کے دو اسباب ذہن میں آئے، اور یہی دو سبق ہم نے سیکھے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ، قرآنِ پاک کی تعلیم کو لفظاً اور معنیً عام کیا جائے، اور دوسرا یہ کہ آپس کے اختلافات و نزاعات کو ختم کیا جائے''۔

لفظاً عام کرنے کے لیے مکاتب کا سلسلہ قائم ہو، جس میں حفظ کا اور تجوید کا سلسلہ جاری ہو۔ اور معنیً کی ایک شکل تو وہ ہے جو مدرسوں میں ہے، کہ تفسیر کی

کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اور آپ فضلائے کرام سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ: معنیً کی دوسری شکل یہ ہے کہ، آپ حضرات جہاں جہاں بھی کام کر رہے ہیں وہاں ہفتے میں ایک دن درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کریں۔ سات دن مطالعہ کریں اور ایک دن کچھ کہیں۔ اور اِس میں اپنی استعداد اور علمیت بگھارنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ لوگوں کے لیے جو چیزیں مفید ہیں وہ پیش کریں، قرآنِ پاک کی جو تعلیمات ہیں اور قرآنِ کریم کا تذکیر والا جو پہلو ہے، اُس کو اُجاگر کریں۔ اِس میں اِتنی برکت ہے کہ، جب آپ یہ سلسلہ شروع کریں گے تو اللہ تعالیٰ اِس کی برکت سے لوگوں کو آپ کے ساتھ جوڑیں گے۔

مادی فائدہ ہرگز حاصل نہ کریں

لیکن ایک اہم بات یہ بھی خاص طور پر ذہن نشین رہے کہ، جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپ سے جوڑیں تو کبھی اُن سے اپنا مادّی فائدہ حاصل نہ کریں۔ یہ بہت اہم چیز ہے، اِس کو یاد رکھنا۔ آپ کی علمی خدمات کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ کے پاس آئیں گے؛ لیکن کبھی بھولے سے بھی اشارہ و کنایہ میں بھی اُن سے ایسا کوئی معاملہ جس سے مادّی فائدہ حاصل ہوتا ہو، ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ قرآن پاک میں کئی جگہ ہے: ﴿قُلْ لاَ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا، إِنْ أَجْرِيَ إِلاَّ عَلَى اللّٰهِ﴾ ہر نبی کا یہی نعرہ رہا ہے۔ جب ہمیں نبوت کی جانشینی ملی ہے تو اُس کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے۔

نصیحت کا انداز

دوسرا تقاضہ یہ ہے: ﴿إِنِّيْ لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِيْنٌ﴾ اور لوگوں کے ساتھ نُصح و خیر

خواہی ہونی چاہیے۔آپ نے حدیثِ پاک میں پڑھا ہے کہ، ایمان کا تقاضہ ہے اَلنَّصِیْحَۃُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ، ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی ہونی چاہیے۔

اور ﴿أَمِیْنٌ﴾ اور اپنی ذمہ داریوں کو پوری تندہی اور امانت داری کے ساتھ ادا کرنے کی ضرورت ہے۔آپ اپنے آپ کو صرف دو ڈھائی گھنٹے کا ملازم نہ سمجھیں؛ بلکہ آپ تو چوبیس گھنٹے کے لیے ذمہ دار ہیں۔اور آپ صرف اُن بچوں کی تعلیم کے نگران نہیں ہیں؛ بلکہ اُس پوری بستی کی دینی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری آپ پر ہے، آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ اِس بستی میں نکاح ہو رہے ہیں تو کیسے ہو رہے ہیں؟ اگر وہاں ہونے والے نکاحوں میں ایک بات بھی شریعت کے خلاف اور سنت سے ہٹ کر ہو رہی ہو، تو اُس کو برداشت کر لینا آپ کی امانت داری کے تقاضے کے خلاف ہے؛ اِس لیے آپ کو چاہیے کہ اُن کو بتائیں۔اور بتانے کے لیے عمدہ طریقہ اختیار کریں، کوئی پتھر اور ڈنڈا مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ، یا تو ہمارے علماء بولتے ہی نہیں ہیں، اور اگر بولتے ہیں تو پھر ایسا بے تکا انداز اختیار کرتے ہیں کہ لوگ متنفِّر ہو جاتے ہیں۔حضورِ اکرم ﷺ نے جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو گورنر بنا کر یمن بھیجا تھا، تو فرمایا تھا: بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، ایسا انداز ہرگز اختیار نہ کرنا جس سے لوگ وحشت کریں اور دُور بھاگیں۔

اپنے اوقات کی حفاظت کیجیے

ایک اَور بات یہ ہے کہ، ہمیں اپنے آپ کو مجلس بازیوں سے بچانا ہے۔دیہاتوں میں کام کرنے والے ہمارے علمائے کرام کو اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ اور ہدایت

دے، وہ اپنے اوقات کو بڑی بے دردی سے ضائع اور برباد کرتے ہیں، مدرسے کے اوقات کے بعد کوئی کسی کی دُکان پر بیٹھا ہوا ہے، کوئی کسی کے گھر میں جا کر بیٹھا ہوا ہے۔ اُن کا تین یا پانچ گھنٹوں کے عِلاوہ باقی سب وقت فارغ ہوتا ہے، پھر بھی اُن سے پوچھو کہ قرآنِ پاک کتنا پڑھتے ہو؟ تو آدھا پارہ بھی نہیں ہوتا۔ بہت سے احباب مجھ سے بیعت ہیں، اور میرے پاس حالات بیان کرتے ہیں کہ: تسبیح کا ناغہ ہوجاتا ہے، مَیں پوچھتا ہوں کہ: کتنا ناغہ ہوتا ہے؟ ہفتہ کے سات دن ہیں، کتنے دن پڑھتے ہو اور کتنے دن چھوڑتے ہو؟ تو اُس میں بھی اندر کا چور بولنے نہیں دیتا کہ کتنا ناغہ ہوتا ہے؟ چپ ہوجاتے ہیں، پھر بڑی مشکل سے بتاتے ہیں کہ ایک آدھ دن پڑھتا ہوں، چھ دن چھوڑ دیتا ہوں۔ مَیں نے کہا کہ: اِس کو آپ ناغہ سے تعبیر کرتے ہیں!۔ بھائی! ایسا نہیں ہونا چاہیے، آپ کو کسی کی دُکان پر یا کسی کے گھر پر جا کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ آپ کے چوبیس گھنٹوں کا ایسا نظام ہونا چاہیے کہ اُس میں اپنا مطالعہ اور اپنے معمولات وغیرہ میں مشغول رہیں، اپنے اوقات کا ایک پورا نظام بناؤ۔ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اِتنا وقت دیا ہے کہ روزانہ ایک قرآن شریف پورا کرسکتے ہو، اور یہاں ایک پارہ بھی پورا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی؟ اِس لیے اپنے اوقات کی قدر و قیمت سمجھو، اور اِس طرح ضائع مت کرو۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو موقعہ دیا ہے، اُس کو غنیمت سمجھو۔

ہمیں اپنا عملی پہلو بھی مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، جیسے سنتوں کی اتباع کا اہتمام ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و اِنابت ہو، اور آپ کو تو مسجد میں اذان ہوتے ہی پہنچنے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ امام صاحب ہیں اور عین نماز کے

وقت پر پہنچ رہے ہیں، ظہر کی نماز میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جماعت کی تیاری ہوتی ہے تو عین وقت پر آ کر سیدھے مصلّے پر چڑھ جاتے ہیں۔ ایک دو مرتبہ تو نمازی لوگ درگزر کرتے ہیں، پھر جب وہ لوگ درخواست کرتے ہیں کہ: حضرت! آپ کی تو سنتِ مؤکدہ چھوٹ جاتی ہے؛ تو پھر اُن کی بات ہمیں اچھی نہیں لگتی۔ اِس لیے آپ کو تو اذان سے پہلے مسجد میں آنا چاہیے تھا، آپ کی ذات تو لوگوں کے لیے نمونہ ہے، آپ تو حضور اکرم ﷺ کی سنتوں کا نمونہ اُن کے سامنے پیش کریں، آپ کا وجود تو ایسا ہونا چاہیے کہ لوگ آپ کو دیکھ کر یوں کہیں کہ: دیکھو! سنت یہ ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کے عمل سے ''اقرب الی السنہ'' کا فیصلہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے کسی نے پوچھا کہ: حضرت! فلاں کام میں دونوں پہلو ثابت ہیں؛ لیکن اِن دونوں میں ''أقرب إلی السنۃ'' کونسا پہلو ہے؟ تو حضرتؒ نے جواب دیا کہ: ''حضرت گنگوہیؒ کا عمل دیکھو، وہ جو عمل کرتے ہیں وہی أقرب إلی السنہ ہے''۔

گویا اُن لوگوں کو دیکھ کر یہ فیصلے ہوتے تھے کہ: کون سا عمل سنت ہے اور ''أقرب إلی السنہ'' کیا ہے؟۔ کیا آج ہمارے افعال سے کوئی ایسا فیصلہ کیا جا سکتا ہے! اِس لیے ہمیں اپنا پورا ایک مرتّب نظام بنانے کی ضرورت ہے۔

اپنا علاج کرنے اور مزاج بدلنے کی ضرورت

بچوں کی تربیت کے معاملے میں بھی اپنے اوقات کی ترتیب بنائیں، بہت سے اساتذہ جب پڑھانے کے لیے مدرسہ ومکتب جاتے ہیں تو کلاس (درسگاہ)

کے اندر بعد میں جائیں گے، پہلے کچھ وقت باہر کھڑے رہیں گے۔ دراصل پڑھنے کے زمانے میں ہمیں جو عادتیں پڑی ہوتی ہیں، وہی باقی رہتی ہیں۔ پڑھنے کے زمانے میں مدرسے میں کیا ہوتا ہے، کہ مغرب کے بعد کلاس (درسگاہ) میں جانے سے پہلے دس منٹ مسجد کے دروازے پر کھڑے رہتے ہیں، پھر دس منٹ باہر سیڑھیوں پر، پھر درسگاہ کے دروازے پر دس منٹ گزار کر اندر جاتے ہیں، اِس کے بعد کتاب کھولنے سے پہلے پانچ سات منٹ تذکرے ہوتے ہیں، اور پھر کہیں تکرار چالو (شروع) ہوتی ہے، اور تکرار کرانے والے نے ابھی تو پاؤ صفحہ بھی پورا نہیں کیا ہوتا کہ کوئی ساتھی اُس میں کوئی شوشہ چھوڑ دیتا ہے، اور اِسی میں عشاء کا وقت ہو جاتا ہے۔ مَیں یہ سب غلط تو نہیں کہتا ہوں! یہی سب ہمارے یہاں ہو رہا ہے؛ اِس لیے آپ جس دَور سے گزر رہے ہیں وہی مزاج لے کر یہاں سے گئے ہیں۔ لہٰذا ایسا نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ اب ہمیں اپنے مزاج کو درست کرنے کے لیے اپنے آپ پر سختی کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ کی سیرت پڑھیے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے کندھے کے اوپر پانی سے بھرا ہوا چمڑے کا بڑا مشکیزہ لے کر آ رہے تھے، اُس وقت وہ امیر المؤمنین تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ: ایک وفد ملنے کے لیے آیا تھا تو میرے دل میں تھوڑا سا خیال آ گیا کہ، اوہو! تمہارے پاس تو فورین (Foreign) کے وفد ملنے کے لیے آتے ہیں؛ اِس لیے مَیں اپنا علاج کر رہا ہوں۔ ہمیں بھی اِن چیزوں کو سوچ سوچ کر اپنا علاج کرنے کی ضرورت ہے۔

تو مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ: ہمیں اِن ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اُن صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اتباعِ سنت ہو، رجوع اِلی اللہ ہو۔

نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں سادگی کی تعلیم دی ہے

اور ایک بات یہ ہے کہ، ہماری ہر چیز میں سادگی ہو؛ کیوں کہ ہماری تنخواہ اور ہمارا مشاہرہ عیش وعشرت کا متحمل نہیں ہوتا ہے۔ ارے بھائی! ہماری بنیادی ضرورتیں ہی پوری ہوجائیں تو غنیمت ہے، اور نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں سادگی بتلائی ہے۔ ہم مطالعہ کریں اور سوچیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کا لباس کیسا تھا؟ آپ ﷺ کی سواری کیسی تھی؟ آپ ﷺ کا کھانا کیسا تھا؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: کبھی آپ ﷺ نے دو دن مسلسل جَو کی روٹی نہیں کھائی۔ تین تین چاند ایسے گزر جاتے تھے کہ آپ کے گھروں میں چولہا نہیں سُلگتا تھا۔ آج اگر ہمارے یہاں ایک وقت کا کھانا نہ پکے تو رونا دھونا شروع ہوجاتا ہے، کہ فاقہ ہوگیا، اور وہاں فاقوں پر فاقے چلتے تھے؛ مگر کبھی کسی سے شکایت نہیں ہوتی تھی۔

آپ حضرات نے ''شمائل'' میں پڑھا ہے کہ: حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا: آپ ﷺ کا بستر کیا تھا؟ تو اُنھوں نے جواب میں فرمایا کہ: معمولی سا بستر تھا، کبھی تو آپ ﷺ اپنا عباء ہی بچھالیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک انصاری عورت آئی، اور حضور ﷺ کا بستر دیکھ کر اُس کے دل میں خیال آیا تو اُس نے ایک عمدہ سا گدّا بنا کر بھیجا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: مَیں نے وہ بچھایا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ: فلاں انصاری عورت نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اِس کو اُٹھاؤ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: میرا جی واپس کرنے کو نہیں چاہتا تھا؛ لیکن حضورِ اکرم ﷺ نے زبردستی فرمایا کہ: اِس کو فلاں کے پاس بھیج دو۔

حضرت حفصہؓ سے کسی نے آپ ﷺ کے بستر کے متعلق پوچھا، تو اُنھوں نے کہا کہ: ایک ٹاٹ تھا جس کو مَیں دوہرا کر کے حضور ﷺ کے لیے بچھا دیا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میرے دل میں خیال آیا کہ اِس کو چوہرا (یعنی ڈبل کا ڈبل) کردوں، تو ذرا نرمی ہوجائے گی اور آرام ملے گا۔ مَیں نے اِس طرح بچھایا تو صبح اُٹھ کر حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: آج رات تم نے کیا بچھایا تھا؟ مَیں نے بتلایا کہ وہی بستر تھا جو روزانہ ہوتا ہے، صرف اِتنا کیا کہ روزانہ ڈبل ہوتا ہے، آج ڈبل کا ڈبل کردیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اِس کی نرمی نے مجھے رات کی نماز سے روک دیا۔ جب حضورِ اکرم ﷺ یہ فرماویں کہ ''اِس کی نرمی نے مجھے رات کی نماز سے روک دیا'' تو پھر ہماشما کا کیا حال ہوگا!!!۔

اِس لیے حضورِ اکرم ﷺ کی اِس طرزِ زندگی کو اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ کھانے پینے میں، لباس میں اور ہر چیز میں اِسی سادگی کا اہتمام ہونا چاہیے۔

آمدنی بڑھانا اختیار میں نہیں

اپنی ضرورتوں کو اپنی آمدنی کے مطابق رکھیں۔ آج کل ہوتا کیا ہے! کہ پڑھنے کے زمانے میں اپنی ضرورتیں بڑھالی جاتی ہیں، اور جب تنخواہ کافی نہیں ہوتی تو لوگوں سے قرض لیتے ہیں، اور اِس طرح اپنی مادّی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ ہمارے اکابر میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ تھے، جو حضرت حکیم الامتؒ کے اجلِ خُلَفاء میں سے گزرے ہیں، مظاہر علوم کے ناظم تھے، اُن کا مقولہ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ: ''بھائی! دیکھو! آمدنی بڑھانا تو ہمارے اختیار میں ہے نہیں؛ لیکن ضرورتیں گھٹانا ہمارے اختیار

میں ہے‘‘۔ جب ہم اپنی آمدنی بڑھا نہیں سکتے ہیں تو اپنی ضرورتوں کو کم کردیں؛ تاکہ کسی سے مانگنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

حضرت الاستاذ کی چائے بند

ہمارے استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے متعلق مجھے یاد ہے، کہ جب وہ راندیر میں پڑھاتے تھے، تو کبھی ایسا ہوتا کہ مہینہ پورا ہونے کو آیا اور تنخواہ پوری ہوگئی، تو حضرت کسی سے قرض نہیں لیتے تھے؛ بلکہ اپنی چائے بند کردیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ: کوئی بات نہیں، مہینہ کے آخری پانچ دن چائے نہیں پئیں گے؛ مگر قرض کی بات نہیں، کہ قرض لے کر چائے پئیں۔

ہمیں بھی ایسا مزاج بنانا چاہیے؛ اِس لیے ہمیں اپنی ضرورتیں محدود کرنے کی ضرورت ہے؛ تاکہ اس کی نوبت ہی نہ آئے، تب ہی آپ پوری غیرت اور عزت کے ساتھ دینی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی تواضع

اور ایک چیز ہے ’’تواضع‘‘۔ حضورِ اکرم ﷺ کی تواضع کا حال کیا تھا؟ جنازوں میں شریک ہوتے تھے، بیماروں کی عیادت کے لیے جاتے تھے، آپ ﷺ کی سواری بھی نہایت سادہ ہوتی تھی، آپ کی ہر ہر چیز میں تواضع کا پہلو نمایاں ملے گا۔ حضورِ اکرم ﷺ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز بنانا پسند ہی نہیں فرماتے تھے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ایک مرتبہ ایک سفر میں یہ بات ہو رہی تھی کہ: کھانا تیار کرنا ہے، تو ایک صحابی نے کہا کہ: مَیں جانور ذبح کروں گا، دوسرے

نے کہا کہ: مَیں چمڑا اُتاروں گا، تو حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: مَیں لکڑیاں جمع کروں گا۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ہم جمع کرلیں گے، تو حضورِ اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ: مجھے بھی معلوم ہے کہ تم شوق سے جمع کرلوگے؛ لیکن مَیں اپنے آپ کو تمھارے درمیان ممتاز بنا کر رکھنا نہیں چاہتا۔

اور ہمارا حال کیا ہے کہ، کوئی ممتاز نہ بھی بناوے، تب بھی زبردستی لوگوں کے سروں پر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارے بھائی! ہم نے یہ سب کاہے کے لیے پڑھا تھا! اِس لیے ضرورت ہے اِس بات کی کہ اِن ساری چیزوں کا خیال کیا جائے۔

کام میں جان پیدا کرنے کا طریقہ

اور ایک بات یہ ہے کہ، حضورِ اکرم ﷺ کی عبادات دیکھو، کہ نمازوں کا اور خاص طور پر رات کی نمازیں اور تہجد کا کیسا اہتمام تھا! آپ حضراتِ فضلائے کرام سے مَیں ضرور یہ کہوں گا کہ: ''ہر ایک اپنے لیے تہجد کو فرض سمجھ لیں''۔ جب تک راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت اور اللہ کے سامنے گریہ وزاری نہیں کریں گے، وہاں تک آپ کے کاموں میں جان پیدا ہونے والی نہیں ہے۔ اِس لیے اللہ کا ذکر، تلاوت، دعا، تسبیحات وغیرہ کا اہتمام ہونا چاہیے۔ آپ کے تین، چار، پانچ گھنٹے اِن کاموں میں گزرنے چاہئیں؛ تب جا کر آپ کے دوسرے کاموں میں جان پڑے گی۔

اپنے احباب کے احوال سے باخبر رہیں

اور ایک بات یہ ہے کہ، شمائل میں حضورِ اکرم ﷺ کا حال بیان کیا ہے کہ:

آپ لوگوں کے حالات کی خبر رکھتے تھے۔ آج ہم لوگوں کے حالات سے باخبر تو ہیں؛ لیکن کن چیزوں کی خبر رکھنی چاہیے، وہ نہیں جانتے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے بارے میں آتا ہے: یَتَفَقَّدُ اَصحَابَہٗ، وَیَسئَلُ النَّاسَ عَمَّا فِی النَّاسِ، اپنے صحابہ کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ اِس لیے آپ بھی اپنے شاگردوں کے حالات سے باخبر رہیے، اور اُن کی اصلاح کی طرف متوجہ رہیے۔ اور پھر لوگوں میں جو حالات چل رہے ہوں اُس سے بھی مطلع رہیے، وَیُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَیُقَوِّیہِ، وَیُقَبِّحُ الْقَبِیحَ وَیُوَهِّیہِ: کوئی اچھی بات لوگوں میں ہے تو اُس کی حوصلہ افزائی ہو کہ بھائی! ہم نے سنا کہ آپ لوگوں نے فلاں نیک کام شروع کیا ہے، بیماروں کی دوائی وغیرہ کے لیے ایک کمیٹی بنائی ہے، بہت اچھی بات ہے، یہ کام ضرور کرو، اِس میں اَور ترقی کرو۔ اور اگر کوئی بُرائی ہو رہی ہو، تو فوراً اُس کا تذکرہ کر کے اُس کو روکنے اور دُور کرنے کی کوشش کرو۔

جمعہ میں بیان مختصر ہو

آج کل تو جمعہ میں جو بیانات ہوتے ہیں اُس میں بھی لن ترانیاں چل رہی ہیں، اور اِیران توران کے قصے سنائے جاتے ہیں، اور ایک گھنٹہ، سَوا گھنٹہ کی تقریریں ہوتی ہیں، اور جمعہ کا جو وقت مقرر ہوتا ہے اُس سے بھی گھنٹہ بھر اوپر ہو جاتا ہے۔

بھروچ کی کسی سوسائٹی کا قصہ ہے، جو کئی سال پہلے ایک صاحب نے سنایا تھا کہ: ایک مولوی صاحب جمعہ سے پہلے اِتنی لمبی تقریر کرتے تھے کہ جمعہ اور خطبے کا وقت تو ڈیڑھ بجے کا تھا؛ لیکن اُن کی تقریر اِتنی لمبی چلتی تھی کہ دو، سوا دو بج جاتے تھے، پھر خطبہ شروع ہوتا تھا، اِس کی وجہ سے بہت سے لوگ بھی دیر سے

آتے تھے۔ایک دن ایسا ہوا کہ وہ مولوی صاحب نہیں تھے،تو کوئی دوسرے مولوی صاحب نماز پڑھانے کے لیے آئے،اور اُنھوں نے اپنے وقت ڈیڑھ بجے پر ہی خطبہ پڑھا دیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ دیر سے آنے والے تھے، اُنھوں نے دو بجے آکر جب دیکھا تو نماز ختم ہو چکی تھی۔

اِس لیے جب کسی مسجد میں ڈیڑھ بجے کا وقت ہے تو اُس میں ایک منٹ کبھی اِدھر اُدھر ہونا نہیں چاہیے،آپ کا بیان محدود ہو،جمعہ سے پہلے لمبا بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔پندرہ منٹ،بیس منٹ،پچیس منٹ کافی ہیں،اِس سے زیادہ تو ہونا ہی نہیں چاہیے؛ بلکہ ہمارے بعض اکابر تو منع کرتے ہیں،''احسن الفتاوی'' اُٹھا کر دیکھ لیجیے،مفتی رشید احمد صاحبؒ نے تو لکھا ہے کہ:اِس کی وجہ سے جمعہ کے دن کے معمولات میں کوتاہی آتی ہے؛لیکن اب کوئی اِن معمولات کو تو ادا کرتا نہیں،اور دین کی بات پہنچانے کا ایک موقعہ ہوتا ہے،تو ٹھیک ہے؛لیکن ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ جو بنیادی باتیں ہوں اُسی کو بیان کریں،اور اِس کے لیے بھی قرآن وحدیث اور بزرگوں کی باتیں لیں،اِدھر اُدھر کی ایران توران کی باتیں اور لمبے چوڑے قصے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مدرسوں کی انجمنوں میں اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے آپ نے اِس طرح کا مزاج بنایا تھا کہ، پانچ منٹ کی تقریر کو ضروری قرار دیا تھا،تو پتہ نہیں کہاں کہاں سے اِدھر اُدھر کی باتیں لے کر آتے تھے۔اگر وہی مزاج بنایا ہے اور عوام میں ایسی ہی تقریر کرنی ہے،تو مت کرو۔کسی اچھے آدمی کو لاؤ،جو اچھی باتیں بتائے۔

آج کل تو لوگ پڑھے لکھے اور دنیوی علوم سے آراستہ ہیں،جب آپ ایران

تو ان کی باتیں کریں گے تو وہ کہیں گے کہ: مولوی صاحب کو اَور کچھ آتا ہے یا نہیں!۔

ساؤتھ افریقہ کا قصہ ہے کہ: ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب کی تقریر ہو رہی تھی اور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، تو ایک پرانے آدمی تھے اور علماء سے بھی محبت رکھتے تھے، وہ کہنے لگے کہ: اِن مولوی صاحب کو جو کچھ آتا ہے، وہ سارا آج ہی کہہ ڈالیں گے۔ تو اِس طرح نہیں کرنا چاہیے۔

ہمارے یہاں کسی تحصیل سے ایک استفتاء آیا تھا کہ: ایک امام صاحب جمعہ کے بعد لمبی دعا کرتے ہیں۔ اُن کو منع کیا گیا کہ بھائی! یہ تحصیل کا مرکز ہے، یہاں آفس کے لوگ آتے ہیں، اور آفس میں کام کرنے والے مسلمان بھی جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے چھٹی لے کر آتے ہیں؛ لیکن پھر بھی وہ ماننے کا نام نہیں لیتے، اب کیا کیا جائے؟۔

اِس لیے آپ کو دیکھنا ہے کہ ہمارے یہاں نماز کے لیے آنے والے لوگ کون ہیں، اُن کا بھی لحاظ کرنا ہے، اِس طرح کا انداز لوگوں میں نفرت ڈالنے والا ہوتا ہے۔ پھر اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ جب آپ کو متنبہ کیا گیا اور آپ نے اپنی اصلاح نہیں کی، تو لوگ یہ مسجد چھوڑ دیں گے اور دوسری جگہ تلاش کریں گے، اور بہت سے لوگ تو بریلویوں کی مسجد میں چلے جاتے ہیں، اُن کو آپ نے ہی وہاں بھیجا ہے۔ اِس لیے یہ طریقہ غلط ہے، کام تو اصول کے مطابق ہونا چاہیے۔

بیان میں زیادہ وقت لینا خیانت ہے

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ فرماتے تھے کہ: ''اگر آپ نے اعلان کیا کہ پانچ منٹ بیان ہوگا، تو چھٹا منٹ لینا خیانت ہے''؛ اِس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کا اعلان سن کر کسی آدمی کے پاس پانچ منٹ ہی تھے، اُس کو دس

منٹ کے بعد کام تھا، وہ سمجھا کہ چلو پانچ منٹ میں بات پوری ہوجائے گی؛ اِس لیے وہ بیٹھ گیا، اور آپ نے اُس کا زیادہ وقت لے لیا، تو اِس طرح آپ نے اُس کے وقت میں خیانت کی۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سارے طریقے درست نہیں ہیں، آپ کو تو لوگوں کے حالات سے واقف ہوکر بات کرنی چاہیے۔ اور حضورِ اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بھی آتا ہے: مُعْتَدِلُ الأَمْرِ غَيْرُ مُخْتَلِفٍ، لاَ يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوا أَوْ يَمِيلُوا، آپ ﷺ کے سارے معاملات اعتدال والے تھے، اور آپ ﷺ کے اوقات بھی مقرر تھے۔ اور لوگوں کی طرف سے غفلت نہیں برتتے تھے۔

اور یہ سوچنا بھی غلط ہے کہ ''لوگوں کی طرف سے اگر مجھے پوچھا جائے گا تب ہی مَیں بتاؤں گا''۔ نہیں بھائی! آپ کو تو لوگوں کے حال سے باخبر رہنا ہے، اور اگر کوئی کچھ غلط کر رہا ہے تو اُس کو اچھے انداز میں محبت سے بتاؤ۔ اور حضورِ اکرم ﷺ کا طریقہ عام نصیحت کے اندر نرمی سے سمجھانے کا تھا، اور آپ ﷺ کے جو ارشادات سخت قسم کے ہیں اُن کو بھی نقل کریں، اِس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے؛ لیکن انفرادی نصیحت میں تو بہت زیادہ نرمی ہونی چاہیے۔

بچوں کی پٹائی سے احتیاط کریں

اور بچوں کو پڑھانے کے معاملے میں سختی اور مار پٹائی کے سلسلے کو تو بھول جاؤ، قرآنِ پاک میں ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ جب ایسے مجمع میں مَیں یہ آیت پڑھتا ہوں تو مولویوں کو بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت ہی کی وجہ سے اے نبی! آپ اِن کے لیے نرم ہیں؛ اگر آپ سخت دل اور اَکھڑ مزاج ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے

جاتے۔ حالاں کہ صحابہؓ سے بڑھ کر حضور ﷺ سے محبت کرنے والا اَور کون ہوگا!؛ لیکن پھر بھی قرآن کہتا ہے کہ: وہ آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے۔ آدمی کے مزاج کی گڑبڑ کی وجہ سے محبت کرنے والے بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اِس لیے ہمیں بچوں کے ساتھ نرمی برتنی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ: حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا: نہ کسی خادم کو، نہ کسی عورت کو اور نہ کسی جانور کو۔

مَیں پوچھتا ہوں کہ: مارنے ہی سے علم آئے گا یہ بات آپ کہاں سے لائے؟ آپ کہیں گے کہ ہم نے پڑھا ہے: **સોટી વાગે છમછમ અને વિદ્યા આવે ધમધમ** اور ''اَلضَّرْبُ لِلصِّبْيَانِ كَالْمَاءِ فِي الْبُسْتَانِ''؛ لیکن مَیں کہتا ہوں کہ: وہ سب بھول جاؤ، اب تو لوگ شکایت کرتے ہیں کہ: دیکھو! انگریزی اسکولوں میں غیر مسلم ٹیچرس کتنی محبت سے پڑھاتے ہیں! ارے بھائی! اُن کا تو پیشہ ہے اور وہ تو ہزاروں روپیے لے کر پڑھاتے ہیں۔ خیر! اِتنا جملہ بھی مَیں آپ کی حمایت میں کہہ رہا ہوں؛ ورنہ اصل وہی ہے کہ بچو کو نرمی سے پڑھاؤ۔

مدرِّسین کو ٹریننگ کی ضرورت ہے

اور آج کل پڑھانے کے انداز بھی جگہ جگہ مختلف ہیں، اور یہ زمانہ تو تحقیقات کا زمانہ ہے، نئی نئی تحقیقات ہو رہی ہیں، کہیں ''کا پودرا'' والا طریقہ جاری ہے، کہیں نورانی قاعدہ والا طریقہ چل رہا ہے؛ اِس لیے مَیں تو آپ سے کہتا ہوں کہ: آپ اِن تمام طریقوں سے واقف ہو جایئے؛ اِس لیے کہ آپ تو معلِّم ہیں، آپ کو تو سارے ہی طریقے معلوم ہونے چاہئیں، اور اپنے شاگردوں میں کونسا طریقہ زیادہ مناسب ہے، اُس کے مطابق تعلیم دیں۔ آج تو اِن طریقوں کو

سکھانے کے لیے اہلِ علم کو دعوت دی جاتی ہے، تو اُن کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُن کی غیرت کو چیلنج کیا جارہا ہے۔ کہتے ہیں کہ: نو سال ہم نے یوں ہی حرام کے بگاڑے ہیں؟ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون. یہ کوئی بات ہوئی!

آج کل بڑے بڑے ڈاکٹر اور اپنے فن کے ماہرین بھی اِس ضرورت کو سمجھتے ہیں، کوئی آنکھ کا اسپشیلسٹ ہے، اور کوئی ہارٹ اسپشیلسٹ ہے؛ لیکن آپ اخباروں میں پڑھیں گے کہ: اشتہار دیتے ہیں کہ اِتنے دنوں کے لیے فلاں کا کلینک بند رہے گا۔ پوچھتے ہیں کہ کیوں بند رہے گا؟ تو بتایا جاتا ہے کہ وہ مزید علم اور مزید تجربات حاصل کرنے کے لیے امریکہ جارہا ہے۔ وہ لوگ تو اخباروں میں دے رہے ہیں، اور کوئی بھی اُس کو اپنی بے عزتی نہیں سمجھتا۔ اور آپ کا نام تو کسی اَخبار میں نہیں آرہا ہے، پھر بھی آپ اِس کو بے عزتی سمجھتے ہیں! حالاں کہ ایک مؤمن کو تو ہر وقت علم کا پیاسا ہونا چاہیے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ: ہمارے اطراف کے دیہات میں کسی زمانے میں یہ سلسلہ جاری ہوا، اور مدرسین کو ٹریننگ دینے کے لیے باتیں رکھی گئیں تو اس کو اُنھوں نے اپنی توہین سمجھی، اور سارے مدرسین مستعفی ہوگئے۔ حالاں کہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ہمیں تو ہر وقت تیار رہنا چاہیے ’’كَلِمةُ الْحِكمةِ ضالَّةُ المؤمن، فَهُوَ أَحَقُّ بها حَيثُ وَجَدَهَا‘‘ حکمت اور دانائی کی بات تو ایک مؤمن کی گم شدہ متاع ہے، جہاں ملے وہ اُس کا زیادہ حق دار ہے۔ جیسے ہماری گم شدہ قلم ہو اور وہ ہمیں راستے میں کہیں دکھائی دے، تو کیا ہم لوگوں سے پوچھیں گے کہ اِس کو لوں یا نہ لوں؟ بلکہ فوراً ہاتھ بڑھا کر لے لیں گے۔ کیوں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قلم میرا ہے،

اگر کوئی روکے گا تو اُس سے لڑیں گے کہ یہ تو میرا ہے۔ اِسی طریقے سے کوئی مفید بات اور مفید کام بھی ہماری گم شدہ متاع ہے، جہاں بھی ہمیں مل جائے، اُس کو ہمیں لینا ہے، اور اِس سلسلے میں بہت زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

کرکٹ سے بچنے کی شدید ضرورت ہے

اور حضورِ اکرم ﷺ کے حالات میں ایک خاص چیز یہ بھی لکھی ہے: ''قَدْ تَرَكَ نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثٍ: اَلْمِرَاءِ، وَالْإِكْثَارِ، وَمِمَّا لَا يَعْنِيهِ'': حضورِ اکرم ﷺ نے تین باتوں سے اپنے آپ کو ہمیشہ دُور رکھا: ایک تو جھگڑے سے، دوسرے فضول بحثیں اور بے کار گفتگو سے، اور تیسرے فضول کاموں سے۔

آج کل دیہاتوں میں جب کرکٹ کے جو مختلف دورے چلتے ہیں، تو اُس میں حصہ لینے والے ہمارے فارغین بھی ہوتے ہیں، اور اُس کے سب سے ماہر مولوی صاحب ہی ہوتے ہیں، اور وہی سارے فیصلوں کے اِنچارج ہوتے ہیں، اِن کرکٹروں کی محبت سے ہمارے دل بھرے ہوئے ہیں۔ اور مَیں تو یوں سمجھتا ہوں کہ اِن کرکٹروں کی محبت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت سے زیادہ ہے۔ اور مَیں اِس کی دلیل بتاؤں کہ آج کوئی آدمی دین کے بارے میں کوئی غلط بات بولے، تو اُن کی غیرت کو جوش نہیں آتا؛ لیکن اگر کسی کرکٹر کے متعلق ایک لفظ کسی نے کہہ دیا تو فوراً آستین چڑھا کر اُس کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ اِس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اُن کے دل میں کرکٹر کی محبت زیادہ ہے؟ اور اُس کی محبت سے اُن کا دل سرشار ہے؟ اور پھر اپنی گفتار، رفتار اور ہر چیز میں اُسی کی نقل اتاری جاتی ہے۔

اور یہ کرکٹر کون ہیں؟ اُن کی اکثریت تو غیر مسلم ہیں، اور اُن میں جو مسلمان ہیں، وہ بھی فاسق اور فاجر ہیں۔ قرآن تو کہتا ہے: ﴿وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے (یعنی کفار اور فُسّاق و فجار) آپ اُن کی طرف نہ جھکیں؛ ورنہ جہنم کی آگ تم کو بھی چھولے گی۔ ایسے لوگوں کے متعلق سُوئے خاتمہ کا خطرہ ہے۔ اِس لیے اپنے آپ کو اِس سے بچانے کی ضرورت ہے۔

تمام طلبہ اور اہلِ علم سے کہوں گا کہ: آج ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا ناسور کرکٹ میچ ہے، اِس سے آپ تو پہلے نمبر پر بچیں اور امت کے نوجوان طبقے کو بھی اِس سے بچائیں؛ بلکہ اب تو نوجوانوں کی بھی خصوصیت نہ رہی، بوڑھے بھی اِس شوق میں نوجوانوں سے دو قدم آگے ہیں۔ اِس لیے امت کو اِس مصیبت سے بچانے کے لیے آگے بڑھو! یہ تو ایسی بیماری ہے جس میں ہم خود ہی مبتلا ہو گئے ہیں، جب ہم خود ہی راستہ بھولے ہوئے ہیں، تو کسی اَور کی ہدایت کیا کریں گے!

إِذَا كَانَ الْغُرَابُ دَلِيلَ قَوْمٍ	❁	فَيَهْدِيهِمْ إِلَى طَرِيقِ الْهَالِكِينَ

آج ہمارا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ، کرکٹ کے معاملے میں ہم عوام سے دو قدم آگے ہیں، تو اُمت کی رہنمائی کیا کریں گے؟ اِس لیے اِس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ لوگوں کو بتائیں کہ اِس کا نقصان کیا ہے؟ اِس سے دینی دنیوی نقصان، مالی وجانی نقصان کیا کیا نہیں ہوتا! یہ سب اُن کو بتائیں۔ خود بھی ایسی برائیوں سے بچو، اور دوسروں کو بچانے کا بھی اہتمام کرو۔

طلبہ اور پوری بستی کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری

اور جہاں آپ کام کر رہے ہیں وہاں پوری بستی کے ساتھ آپ کا جوڑ ہو۔

آپ اپنے ایک ایک منٹ کو صحیح استعمال کرنے کی کوشش کریں۔ مکتب میں جو بچے آتے ہیں، اُن کو صرف قرآن پڑھا دینے پر بس نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ اُن کی پوری تعلیم وتربیت کا اہتمام کریں، اُن کو اچھے اخلاق اور کھانے پینے، سونے جاگنے وغیرہ کے آداب ودعائیں سکھانا بھی ضروری ہے، پھر اُن کے خیالات وعقائد کو ٹھیک کرنا، اور یہ دیکھنا کہ اُن کے ناخن اور بال کٹے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اگر کٹے ہوئے نہ ہوں تو اُن کو بتاؤ۔ اُن کے لباس صحیح ہیں یا نہیں؟ اگر لباس غلط ہو تو اُس کی طرف رہنمائی کرو؛ اِن ساری چیزوں سے واقف کرو۔

اِس کے عِلاوہ مسجد میں بڑوں کی نماز کی درستگی کی طرف بھی دھیان دیجیے، قرآنِ پاک کی صحت اور مسائل سے اُن کو واقف کرنے کا اہتمام کریں۔ وَيُزَكِّيهِم اِس آیت میں تزکیہ کا مطلب ہے: کہ ہر طرح کی گندگی سے پاک کرنا: اخلاقی گندگی، اعمال کی گندگی، عقائد کی گندگیاں؛ یہ سب دور کرنے کا خیال کریں۔

آج کل اخباروں میں ایسی بحثیں چھیڑی جاتی ہیں جن کی وجہ سے مؤمن کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، ہمارے مسلمان نوجوان اِس سے واقف ہی نہیں؛ اِس لیے ہمیں چاہیے کہ کوئی ایسا مسئلہ چھیڑا گیا ہو، تو فوراً اُس پر اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ وہ لوگوں کو بتائیں۔ آپ دیکھیے! کہ سورج گرہن ہوتا ہے تو اُس دن ہمارے یہاں کے گجراتی اخبارات کی پُورتی (ضمیمہ) میں لکھا ہوتا ہے کہ: سورج گرہن کے دن اسنان (ન્હાવું) کرنا چاہیے، اور یہ کرنا چاہیے اور فلاں کرنا چاہیے، اور اِس کے لیے اخبار کے دو دو صفحے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، حالاں کہ یہ تو باطل مذہب ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے؛ لیکن وہ لوگ اپنے

ماننے والوں کو یہ سب بتلا رہے ہیں۔ اور ہمیں نبیٔ کریم ﷺ نے سورج گرہن کے موقعہ پر کیا تعلیم دی ہے؟ اور ہمیں کیا کرنا ہے؟ وہ ہم اپنے لوگوں کو بتانے کے لیے آگے نہیں بڑھتے، حالاں کہ دو روز پہلے سے اخبار میں آرہا ہے کہ، فلاں روز سورج گرہن ہونے والا ہے۔ یہ ہماری غفلت نہیں تو اَور کیا ہے؟ اِس لیے ہمیں ضرورت ہے کہ لوگوں کو واقف کریں کہ، بھائی! اِس موقعہ پر ہماری اسلامی تعلیمات یہ ہیں؛ بلکہ آپ کو تو باقاعدہ اِس کا نظام بنانا چاہیے کہ سورج گرہن کی نماز ہوگی، ہم پڑھائیں گے، آپ حضرات آیئے، دعا ہوگی، اِس طرح لوگوں کو متوجہ کیا جائے۔ ہر چیز میں نبوی تعلیمات کو زندہ کرنے کے لیے آپ کو بہت زیادہ چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے، ہر وقت آپ اُن کے حالات سے باخبر رہیں، برائیوں سے روکنے والے اور بھلائیوں کی طرف بلانے والے بنیں۔

طلبا کو غفلت سے آگاہ کرو

اور مَیں طلبہ سے یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ: دیکھو! طالبِ علمی کا زمانہ غفلت کا زمانہ ہوتا ہے۔ آپ مدرسوں میں جو آٹھ، دس سال رہے، اِس دوران آپ سے کیا کیا غفلتیں ہوئیں؟ جب آپ مدرسوں سے فارغ ہوکر جاؤ گے تو پتہ چلے گا۔ اور یہاں کا ماحول کیسا عمدہ تھا؟ اِس کا احساس بھی فارغ ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ جو مدرسوں سے فارغ ہوکر گئے ہیں اُن سے مَیں کہا کرتا ہوں کہ: یہاں رہتے ہوئے ایک طالب علم کو کیا کرنا چاہیے؟ یہ ذرا اپنے اُن ساتھیوں کو بھی بتا دینا جو ابھی مدرسوں میں پڑھ رہے ہیں، ابھی سے اُن کی آنکھیں کھول دینا کہ، بھائی دیکھو! تم کو ابھی پتہ نہیں ہے کہ جب یہاں سے باہر جاؤ گے تو کیسے لوگوں سے واسطہ پڑنے

والا ہے! وہ لوگ آپ کی ایک بھول بھی مُعاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ یہاں تو ہمارے اساتذہ ہیں، اگر وہ کسی بات پر تنبیہ کردیں تو آپ بُرا مان جاتے ہیں اور ناک منھ چڑھا لیتے ہیں، اور سزا کو تو برداشت کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے؛ لیکن وہاں جس طبقے سے واسطہ پڑتا ہے وہ ایسا بے رحم ہے کہ، کسی حال میں بھی آپ کی کسی ایک غلطی کو مُعاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہ سب باتیں ذرا اِن کو بھی بتادینا، کہ آپ لوگوں کے لیے ابھی موقعہ ہے، ہم نے تو بھلے نہیں کیا؛ لیکن تم کو آگاہ کررہے ہیں، تم لوگ ابھی ہی سنبھل جاؤ۔

باطل فرقے ''اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃ'' کی شکل میں

ایک اَور اہم بات یہ ہے کہ، باطل فرقوں سے آگاہی ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ ہمارے گجرات کی بہت سی آبادیوں میں جہاں مکتب کا نظام نہیں ہے وہاں قادیانیت پہنچ چکی ہے، اِس قادیانیت کے متعلق بھی آپ کو بہت زیادہ چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے۔ اور بریلویت اپنے پَر پُرزے نکال رہی ہے، اور پتہ نہیں کیا کیا ہورہا ہے؟ اِس بارے میں آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ اِسی طریقے سے غیر مقلدیت اور سَلَفِیَّت کے نام سے نوجوانوں کو بہکایا جارہا ہے، اور اب تو شیعیت اور پرویزیت بھی ہے؛ تو اِن سارے باطل فرقوں سے پورے طور پر آگاہ ہوکر لوگوں کو بھی آگاہ کرنے کی ضرورت ہے، لوگوں کو باقاعدہ واقف کیا جائے کہ خود بھی بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ۔ اِس لائن سے بھی آپ کو خوب کام کرنے کی ضرورت ہے۔

آپ حضرات جب یہاں آئے تو آپ کو فارم دیا گیا، اِس کو پُر کیجیے، اور

اپنے اساتذہ کو کھل کر بتائیے کہ ہمیں کام کرنے میں کیا کیا رکاوٹیں اور مشکلات پیش آتی ہیں؟ اور ہمیں ایسے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں، ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اُن کو کیا جواب دیں؟ آپ ذرا ہم کو بتلائیے کہ ہم کیسے کام کریں؟ اور اِس سلسلے میں ہمیں کس قسم کی تیاریاں کرنی چاہئیں؟۔

ایک بات یاد رکھیں کہ اِس وقت ہمارے اکابرین کی برکت سے اور اُن کے ذریعے سے تعلیم وتربیت کے جو سلسلے جاری کیے گئے ہیں، وہی دین کے صحیح کام کو انجام دے رہے ہیں، اُن کے مقابلے میں سارے باطل والے ''اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ واحِدۃ'' کے طور پر متحد ہو کر سامنے آتے ہیں۔ آپ کہیں دیکھیں گے تو قادیانیوں کے ساتھ بریلوی بھی ہو جاتے ہیں، اور کبھی غیر مقلد بھی ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ سب یہی چاہتے ہیں کہ دیوبندی کو یہاں سے نکالو۔ وہ بھی یہی سمجھتا ہے کہ یہ جائے گا تو میرا کام بنے گا، اور یہ بھی یہی سمجھتا ہے۔ حالاں کہ بریلوی سمجھتا ہے کہ قادیانی کافر ہے، پھر بھی ہمارے مقابلے میں اُس کا ساتھ دے گا، ہمارے مقابلے میں وہ دونوں مل جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو بھی اپنی حیثیت سمجھ کر اُس کے مطابق تیاریاں کرنے کی ضرورت ہے۔ باطل بہت زیادہ قوت کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، نشر واشاعت کے سارے وسائل نے اُس کو بہت قوت پہنچائی ہے، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اُس کے مطابق تیاریاں کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اِس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

دُعا

سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی بِعَدَدِ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی. رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَالِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ، سِلْمًا لِّأَوْلِيَاءِكَ وَحَرْبًا لِّأَعْدَاءِكَ، نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ أَحَبَّكَ، وَنُعَادِي بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ مِنْ خَلْقِكَ.

اے اللہ! اِن فضلاء کو جو یہاں سے پڑھ کر گئے ہیں، آج جمع کیا گیا ہے، جن اَغراض و مقاصد اور جن فوائد و ثمرات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ مجلسیں ترتیب دی گئی ہیں، اے اللہ! اِن کو علیٰ وجہ الکمال حاصل ہونے کی صورتیں پیدا فرما۔ اے اللہ! آنے والوں کو اِس کی اہمیت محسوس کرنے کی اور یہاں والوں کو اُن کے دل و دماغ میں اِن چیزوں کو قوت کے ساتھ بٹھانے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! آنے والے اپنے ساتھ نیا جوش، نیا ولولہ، نیا شوق، نئی رغبت اور نیا حوصلہ لے کر جائیں ایسی اُن کو توفیق عطا فرما۔ اُن کی راہ کی رکاوٹوں کو دُور فرما، مشکلات کو آسان فرما۔ اُن کی رہنمائی، دستگیری، مشکل کشائی فرما۔ فتنوں سے اُن کی حفاظت فرما۔ اُن کی ضروریات کی کفالت فرما۔ اے اللہ! غیروں کا نشانہ بننے سے اُن کی پوری پوری حفاظت فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ. بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.